دفتر نمبر اے ۹۲۲
ٹیلیفون نمبر ۲۹

تار کا پتہ
"انجمن" علی گڑھ



977 M. Abdul Rahman Sahib,
A-10-149, Humayunnagar,
HYDERABAD, Dn.

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

فی پرچہ دو آنے | سالانہ چندہ دو روپے

جلد عکا | یکم اکتوبر ۱۹۵۵ء | ایڈیٹر۔ قاضی عبدالغفار | ۱۴ر صفر المظفر ۱۳۷۵ھ | نمبر ۱۹

پبلک سروس میں زبانوں کا سوال

اخبار ہریجن کی تازہ اشاعت میں جو سوقت مہاتما گاندھی کی تعلیمات اور روایات کا واحد نمائندہ ہے۔ اس کے ایڈیٹر شری مگن بھائی ڈیسائی نے اپنے ایک مضمون میں حکومت ہند کے اس اعلان پر روشنی ڈالی ہے کہ ہندوستان کی پبلک سروس کے امیدواروں کے لئے جو شرائط رکھی گئی ہیں ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ ہر امیدوار کم از کم ایک علاقائی زبان سے واقف ہو۔ اس اعلان میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ امیدوار جس ریاست میں ملازم کیا جائے گا وہاں کی علاقائی زبان کا جاننا اس کے لئے ضروری ہوگا۔

اس اعلان کے ساتھ ہی ریاستوں کے علاقائی زبانوں کی ایک فہرست دی گئی ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف حیدرآباد میں مرہٹی۔ تلنگی۔ کنٹری کے ساتھ اردو کا نام آتا ہے لیکن اس کے علاوہ کسی ریاست میں اردو کا علاقائی وجود تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ اتر پردیش میں بھی وہاں کی علاقائی زبان صرف ہندی بتائی گئی ہے۔

ہریجن کے ایڈیٹر نے اپنے مضمون میں اس بات پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ اردو کا نام صرف حیدرآباد کے ساتھ آتا ہے حالانکہ ایک علاقائی زبان کی حیثیت سے وہ کم و بیش تمام اس قریہ سے تعلق رکھتی ہے جہاں ہندی کو علاقائی زبان ظاہر کیا گیا ہے مثلاً اتر پردیش، پنجاب، بہار، اور راجستھان وغیرہ۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ علاقائی زبانوں کی یہ تقسیم کس بنیاد پر کی گئی ہے اس لئے کہ آئندہ قائم ہونے والی انتظامی تنظیم پر اس کا بہت دور رس اثر پڑنے والا ہے۔

شری ڈیسائی ان چند لوگوں میں ہیں جو خوش قسمتی سے ابھی تک ہر معاملہ میں مہاتما گاندھی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن موجودہ حالت میں کوئی امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ لوگ ان کی آواز کو سنیں گے جن کے ہاتھ میں حکومت کا اقتدار ہے۔ مہاتما گاندھی کی تعلیمات کے خلاف اس وقت ہمارے ملک کی سیاست کا جزو اعظم بد دیانتی ہے اور کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تمام ناجائز ذرائع اور حاکمانہ اقتدار کا بے جا استعمال بالکل جائز سمجھا جا رہا ہے۔

ہم چند روز پہلے تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں کہ مردم شماری کے اعداد کو پیش کرتے ہیں۔ کس قدر چابک دستی سے حقیقت حال پر پردے ڈالے گئے ہیں۔ آج بھی اس رپورٹ کے اوراق ہمارے سامنے کھلے ہوئے رکھے ہیں۔ لیکن حکومت کا کوئی گوشہ نہیں جہاں سے اس رپورٹ کے مرتب کرنے والوں سے کوئی باز پرس کی گئی ہو۔ سیاسی اور فرقہ داری اغراض کو حاصل کرنے کے لئے ہر ناجائز طریقہ جائز سمجھا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس کی سب سے نمایاں مثال اتر پردیش ہے۔ جہاں اردو کے وجود ہی کو تسلیم نہیں کیا جاتا حال ہی میں ایوان بالا میں ایک سوال کیا گیا تھا کہ لکھنؤ ریڈیو سے اردو زبان میں خبریں کیوں نشر نہیں کی جاتیں۔ اس کے جواب میں وزیر اطلاعات نے

فرمایا کہ جہاں اردو زبان بولی جاتی ہے صرف وہیں اردو میں خبریں نشر کی جاتی ہیں اور وزیر صاحب کی رائے میں صرف دو ہی ریاستیں ایسی ہیں یعنی کشمیر اور حیدرآباد۔ پھر ان سے سوال کیا گیا کہ اگر لکھنؤ کے تمام ہندو اور مسلمان اردو نہیں بولتے تو کون سی زبان بولتے ہیں۔ اس جرح کا کوئی جواب وزیر صاحب نے نہیں دیا گویا ہمارے ملک کے وزیر اطلاعات کی اطلاعات کا دائرہ اس قدر محدود ہے کہ وہ اپنی معصومانہ بے خبری میں کشمیر اور حیدرآباد سے ادھر کہیں کسی ایسی بولی سے واقف نہیں جس کا نام اردو ہو۔ وزارت اطلاعات کی ان دستوں میں عقل گم ہو جاتی ہے۔

ایک بروقت اور ضروری اقدام

لوک سبھا میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد نے بتایا کہ بھارت سرکار یہ ارادہ کر رہی ہے کہ ہندوستان کی آبادی کا زبانوں کے لحاظ سے سروے کرایا جائے تاکہ ملک کے لوگوں اور ان کی ثقافت کے بارے میں ضروری واقفیت حاصل کرنے کے لئے تمام زبانوں اور بولیوں کا مطالعہ کیا جا سکے۔

بلاشبہ یہ ایک ایسی بنیادی تجویز ہے جس پر عمل کرنے سے بہت سے اہم مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ ملک کی بولیوں اور زبانوں کے متعلق ہمارے پاس قابل اعتماد اعداد موجود نہیں اور بلاخوف تردید یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مردم شماری کے ذریعے سے جو اعداد حاصل کئے گئے ہیں۔ ان میں سے اکثر صد درجہ ناقابل اعتماد اور مضحکہ خیز ہیں۔ حالت یہ ہو گئی ہے کہ زبانوں اور بولیوں کے متعلق صاحبان اقتدار کے حلقوں میں ہر شخص اپنی الگ ایک رائے رکھتا ہے اور وہ اپنی رائے کو کسی دلیل اور سند کا محتاج نہیں سمجھتا۔ مثلاً اتر پردیش اور بہار میں بے محابا اردو کی علاقائی حیثیت سے انکار کر دیا جاتا ہے اور ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ کوئی صاحب تاریخی حقائق اور حقیقی اعداد کو اپنے دعوے پر دلیل لاتے ہوں۔ حالانکہ یہ سوال لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کی ثقافت اور ذہنی ارتقا کا سوال ہے۔ ہندوستان کے دور حاضر کی کوئی صحیح تاریخ نہیں لکھی جا سکتی تاوقتیکہ ان تہذیبوں کا صحیح تجزیہ نہ کیا جائے جن کا عکس زبانیں اور بولیاں پیش کرتی ہیں۔ یہ صدیوں کی تاریخی روایات ہیں جن کو نظرانداز کر کے ہم اپنے ملک کے تہذیبی ارتقا کا صحیح اندازہ کر ہی نہیں سکتے۔ وزارت تعلیمات نے اس بارے میں صحیح تحقیقات کا ارادہ کر کے ایک بہت الجھے ہوئے مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کی ہے جس قدر جلد یہ کام شروع کر دیا جائے اتنا ہی زیادہ بعض اہم مسائل کا حل کرنا آسان ہو جائے گا۔ لسانیات کے معاملے میں اس وقت جو انتشار پھیلا ہوا ہے۔ اس کے متعلق یہ ایک فیصلہ کن اقدام ہے۔ وزارت تعلیمات کی یہ تجویز بلاشبہ قابل مبارکباد ہے۔

ہلکے ہلکے اشارے

——— یونین کے ہوم منسٹر پنڈت پنت نے حیدرآباد میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"ہر ریاست کی اپنی ایک زبان ہے۔ لیکن کل ہندوستان کے لئے ایک مشترکہ زبان بھی ہونی چاہئے اور وہ ہندی ہے"

——— صحیح فرمایا لیکن اگر ہر ریاست کی اپنی ایک زبان ہے تو اتر پردیش کی اپنی زبان کیا ہے؟ وہ فرمائیں گے کہ ہندی! ہم عرض کریں گے کہ اس کی کوئی سند؟ وہ فرمائیں گے کہ جو کچھ ہم نے کہا اس کو سند کی ضرورت نہیں۔

——— اتر پردیش میں ایک کروڑ سے زیادہ ہندو اور مسلمان جن کی مادری زبان اردو ہے۔ کچھ بھی کہیں۔ لیکن حکومت کے اقتدار کا پرنالہ تو ادھر ہی کو بہے گا!

——— ہمارے ۲۰ لاکھ دستخطوں یا ایک کروڑ دستخطوں سے کیا ہوگا ——— یہ راج ہٹ ہے نا!

——— لکھنؤ ریڈیو پر اردو میں خبریں شائع نہ کرنے کے متعلق مولوی محمد میاں فاروقی کے سوال کے جواب میں ڈاکٹر کیسکر وزیر اطلاعات نے فرمایا کہ جہاں اردو بولی جاتی ہے وہاں اردو میں خبروں کے نشر کرنے کا انتظام کیا جاتا ہے چنانچہ حیدرآباد

اور کشمیر کے ریڈیو سے اردو میں خبریں نشر کی جاتی ہیں۔

—— یعنی وزیر اطلاعات کی رائے میں صرف یہی دو مقام ہیں جہاں اردو بولی جاتی ہے اور لکھنؤ میں تو اردو بولی ہی نہیں جاتی تو پھر وہاں سے اردو میں خبریں کیوں نشر کی جائیں!!

—— وزیر اطلاعات کی باخبری قابل داد ہے: چراغ تلے اندھیرا!!
گویا سرکاری طور پر لکھنؤ میں اردو کا کوئی وجود ہی باقی نہ رہا!!

—— مولانا فاروقی نے جب یہ سوال کیا کہ کیا کوئی شخص ثابت کر سکتا ہے کہ لکھنؤ میں اردو کے سوا کوئی دوسری زبان بولی جاتی ہے تو وزیر اطلاعات نے خاموشی کو گویائی پر ترجیح دی!!

—— دہلی سے کانگریس کے نئے روزآنہ اردو اخبار "سنسار" کے جاری ہونے پر مسٹر ونوبا بھاوے نے اس اخبار کے لئے جو پیغام دیا ہے اس میں آپ اردو زبان کے متعلق فرماتے ہیں:

"اردو کا ہندوستانی زبانوں میں ایک مقام ہے
اور اس کے ذریعے مستقبل میں ملک کی کافی خدمت ہوگی"

—— ونوبا جی نے بات تو صحیح کہی، لیکن سوال یہ ہے کہ اردو کا یہ مقام ہے کیا۔ ایک مقام وہ ہوا کرتا ہے جب کوئی مقام نہ ہو!!
معاصر ریاست لکھتا ہے کہ

"ونوبا جی کے متعلق بعض لوگوں کا یہ ایمان ہے کہ گاندھی ازم کے لحاظ سے مہاتما گاندھی کے بعد صرف آپ ہی ملک میں اس وقت سب سے بڑی اتھارٹی ہیں اور آپ کا مقابلہ ہندوستان میں کوئی دوسری شخصیت نہیں کر سکتی۔ چنانچہ یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ایک طرف تو کانگریس کے لیڈروں کی بہت بڑی میجارٹی اردو کو شمالی ہندوستان سے قطعی ختم کر دینے کے حق میں ہے اور اردو کو تباہ کرنے کے لئے یوپی، دہلی، پنجاب اور پیپسو میں عملی قدم اٹھائے جا چکے ہیں اور دوسری طرف مسٹر ونوبا بھاوے اردو کے حق میں ہیں جن کی آواز پر کوئی توجہ دینے کے لئے تیار نہیں۔"

—— اس سلسلے میں معاصر ریاست ایک لطیفہ سناتا ہے

"ہمیں ایک دلچسپ واقعہ یاد آ گیا۔ ہمارے ایک مسلمان دوست ایک پیر جی کے مرید ہوئے تو پیر جی نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ داڑھی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، جو شخص چاہے داڑھی رکھے یا منڈا دے۔ چنانچہ ہمارے اس دوست نے اپنی داڑھی منڈا دی۔ کچھ عرصہ بعد یہ اپنے دادا پیر یعنی پیر جی کے پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے دادا پیر نے ان کے داڑھی منڈا دینے پر اعتراض کیا اور تاکید کی کہ داڑھی مت منڈایا کرو۔ داڑھی کا رکھنا اسلامی شرع کے مطابق ضروری ہے۔ دادا پیر کے اس حکم کو سن کر مرید پریشان کہ وہ دادا پیر کا حکم مانے یا اپنے پیر کا، یعنی اپنی داڑھی رکھے یا منڈا دے۔ ہمارے اس دوست کی پوزیشن کے مطابق شمالی ہند کے لوگوں کے سامنے یہ دلچسپ سوال پیدا ہونا چاہئے کہ وہ اپنے یوپی، پنجاب، دہلی اور پیپسو کے سیاسی اور کانگریسی پیروں کے حکم کے مطابق اردو کو مٹا دینے کی کوشش کریں یا دادا پیر یعنی شری ونوبا بھاوے کے ارشاد کے مطابق اردو کو زندہ رکھنے کی کوشش کریں۔"

—— نیک نیت کانگریسی نیتا تو عام طور پر یہ کہہ کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اردو زبان کا بھی ایک خاص مقام ہے —— گویا انھوں نے ایک کلمۂ حق کہہ کر بڑا اخلاقی فرض ادا کر دیا! لیکن جب عرض کیا جاتا ہے کہ حضور اردو کا وہ "مقام" کیا ہے اور کہاں ہے تو ان کا جواب ان کے پاس کچھ نہیں!

—— دفتر دار الترجمہ عثمانیہ حیدر آباد کو آگ لگ گئی اور ایسی لگی کہ کہا جاتا ہے دار الترجمہ کی کتابوں کا سارا ذخیرہ خاک ہو گیا۔

—— یہ دار الترجمہ حیدر آباد میں اردو زبان کے لٹریچر کا بہت بڑا مرکز تھا۔ اس ادارے سے زیادہ کسی ادارے نے اردو کے علمی اور ادبی خزانوں میں اضافہ نہیں کیا۔ لاکھوں روپیہ ہر سال مشہور تاریخی اور علمی کلاسک کتابوں کے ترجمہ کرانے پر صرف کیا جاتا تھا

اب انقلاب زمانہ نے وہ صورت پیدا کی کہ بیش قیمت کتابوں کے اس لاکھوں روپیہ کے اسٹاک کو ردی کے نرخ فروخت کر دینے کی کوشش کی جا رہی تھی اور وہ اس کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہوا تھا کہ اس میں آگ لگ جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ــــ کسی نے آگ لگا دی ہو تو یہ بھی تعجب کی بات نہیں!!

این دفتر بے معنے غرق مے ناب اولے

ـــــ حیدر آباد میں اردو زبان اس حادثہ کے متعلق زبانِ حال سے کہہ سکتی ہے کہ:۔

اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان آ گیا!!

ـــــ بعض احباب بہت بڑھ بڑھ کر مرکزی انجمن ترقی اردو پر یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں اردو کو پامال کیا جا رہا ہے لیکن انجمن کچھ نہیں کرتی چنانچہ اب پنجاب میں اردو کے دیس نکالے پر بھی ان دوستوں نے انجمن کو ہدفِ ملامت بنایا ہے۔

ـــــ حال ہی میں ایک معاصر نے لکھا تھا کہ:۔

اسے ہماری بدقسمتی کہئے یا خوش قسمتی کہ ملک میں ایک جماعت "کل ہند ترقی اردو" کے نام سے بھی قائم ہے یہ اپنے نام اور کام کے لحاظ سے ذمہ دار ہے اس بات کی کہ ملک کے کسی حصہ میں اردو کے حلق پر ظلم کی چھری نہ چلے اس کا گلا نہ دبایا جائے اور اس کا حق پامال نہ کیا جائے۔ لیکن یہ واقعہ تو حیرت ناک ہے کہ پنجاب میں اردو کی اس زبردست ٹریجڈی پر بھی اس جماعت میں کوئی حرکت محسوس نہیں کی۔

ہو سکتا ہے کہ وہ اس معاملہ میں اس طرح سوچتی ہو کہ وقتی اور ہنگامی جد و جہد بے فائدہ ہے صدرِ جمہوریہ ہند یوپی کے معاملے میں (جو ۲۰ لاکھ دستخطوں کی تائید کے ساتھ ان کی خدمت میں پیش کیا جا چکا ہے) جب کوئی فیصلہ دیں گے تب اس کی روشنی میں پنجاب کے معاملے کا بھی فیصلہ کرا لیا جائے گا۔

لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ فرض کیجئے صدرِ جمہوریہ کوئی فیصلہ ہی نہ دیں جیسا کہ اب تک کے طرزِ عمل سے ظاہر ہے یا فیصلہ اثبات میں نہ دیں نفی میں دیں تب انجمن ترقی اردو کیا کرے گی؟ وہ پنجاب کا مقدمہ کس بنیاد پر لڑے گی ـــــ؟ پھر فیصلے کے انتظار میں یا طریقِ کار کے تعین میں جو وقفہ لگے گا اگر اس کی طوالت دو چار سال ہوئی تو کیا اس وقت تک نہ صرف پنجاب بلکہ خود یوپی میں بھی اردو کا خاتمہ نہ ہو چکے گی؟"

ـــــ تعریض جب صرف تعریض اور تنقیص کے لئے ہو تو اس کے لئے معترضین کو گفتگو کا بہت وسیع میدان مل جاتا ہے۔ اور ایسی تعریض کا جواب دینا بھی فضول ہوتا ہے۔ اس لئے کہ معترضین تصویر کا صرف ایک ہی رخ دیکھنے پر اصرار کرتے ہیں۔

ـــــ انجمن کیا کر رہی ہے یا کیا نہیں کر رہی ہے اور جن ریاستوں میں اس کی صوبائی شاخیں اپنے اپنے مقامی حالات کے لحاظ سے کام کر رہی ہیں اس کا محاسبہ کرنے کا حق صرف ان دوستوں کو ہی حاصل ہو سکتا ہے جنھوں نے خود کوئی کام کیا ہو سوال کیا جا سکتا ہے کہ جناب نے خود سوائے حسین لکھنے کے اردو کی مدافعت کا فرض کس طرح انجام دیا ہے؟ ــــ انجمن نے آج تک عوام سے چندے وصول نہیں کئے۔ اس کی آمدنی کے وسائل بہت محدود ہیں، پھر بھی اس نے اردو کے سب سے بڑے قلعے پر ایک محاذ قائم کرنے میں ہزار ہا روپیہ خرچ کر دیا۔ وہ اس کے لئے بالکل تیار ہے کہ اگر صدرِ جمہوریہ سے اس کا مقصد حاصل نہ ہو تو مزید جد و جہد کی تدابیر اختیار کرے۔ لیکن معترضین سے گزارش ہے کہ وہ خود بھی کچھ کر کے دیکھیں یا سب سے آسان کام ان کے لئے یہی ہے کہ اعتراض کیا کریں؟

ـــــ کیا عجب ذہنیت ہے کہ خود کچھ نہ کریں اور اگر کوئی ادارہ کچھ کر رہا ہو تو اس کو طعن و طنز کا ہدف بنا کر تسکین قلب حاصل کرتے رہنا!

تو بہ خویشتن چہ کردی کہ بما کنی نظیری
بخدا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردن

ـــــ انجمن کے کاندھے چوڑے ہیں وہ بحمد اللہ دوستوں کی۔۔ تعریض و تنقیص کا بار بھی اٹھا سکتی ہے!!

اردو کا حق

ہندوستان ٹائمز نے ۱۹ ستمبر کے اداریہ میں لکھا ہے کہ ہندی کی ترقی کا اثر علاقائی زبانوں پر نہیں پڑتا۔ اس لئے علاقائی زبانیں تو اپنی اپنی جگہ ضرور ترقی کریں گی۔" ہندوستان ٹائمز نے یہ بات اصولاً صحیح کہی ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس کے پیش نظر تامل، تلگو، کنڑی، مرہٹی اور بنگالی ہیں۔ اور غریب اردو پیش نظر تو کیا ہوتی پس نظر بھی نہیں ہے بنگالی، مرہٹی، تلگو کی علاقائی حیثیت سے حکومت یا ہندی والے انکار کی جرأت نہیں کرسکتے۔ لیکن سوال تو ہے اردو کا آخر اس کی حیثیت کیا ہے۔ وہ کسی صوبہ کی علاقائی زبان اب تک تسلیم نہیں کی گئی اور جو علاقے اس کے مسکن ہیں وہ اردو سے خالی کئے جارہے ہیں۔ یو۔ پی ہندی بولنے والا علاقہ قرار دے دیا گیا۔ پنجاب جہاں مسلمہ طور سے اردو بولی اور لکھی جاتی ہے ہندی بولنے والا علاقہ قرار دیا جارہا ہے اور یہی حال دوسرے صوبوں کا ہے۔ اس لئے سوال یہ ہے کہ ہندی تو بلاشبہ راج بھاشا بن چکی اور یہ پوزیشن ہم تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اردو کا کیا بنا جس کا حق ہندوستان پر تمام زبانوں سے زیادہ تھا اور زیادہ ہے۔ جیسے کشمیر میں اردو ضرور ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ کشمیری زبان اپنا حق تسلیم کرانے پر مصر نہ ہوگی۔

اردو کے متعلق ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ رونے رلانے کا انداز نہیں ہے۔ نالہ و شیون کا انداز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس انداز سے ہمیں نفرت ہے۔ ہم بلاشبہ ہندوستانی ہیں اور اردو بلاخوف تردید ہندوستان کی زبان ہے۔ اس لئے اردو کا سوال فرقہ وار سوال نہیں ہے۔ کفر و اسلام کا سوال نہیں ہے۔ بلکہ ایک خالص جمہوری سوال ہے اور ہندوستان میں اگر کوئی مسئلہ ایسا ہے جس پر جمہوری محاذ قائم کیا جاسکتا ہے تو وہ صرف اردو کا مسئلہ ہے۔

شمار و اعداد کی روشنی میں یہ دعوے ثابت کیا جاسکتا ہے کہ اردو بولنے والوں اور سمجھنے والوں کی تعداد آج بھی ہندوستان میں بہت زیادہ ہے یہی نہیں بلکہ اردو بولنے والوں کی آج بھی ہندوستان میں اکثریت ہے۔ طول و عرض ہند میں اردو بولی جاتی ہے۔ یو۔ پی میں اردو بولنے والوں کی تعداد آج بھی زیادہ ہے پنجاب میں قطعی طور پر زیادہ ہے بہار میں ان کی تعداد بہت کافی ہے اور حیدرآباد میں بہت زیادہ ہے۔ مدراس اور کرناٹک میں اردو بولی جاتی ہے۔ مدراس سے اردو کے روزنامے نکلتے ہیں۔ دہلی اردو کا مولد و مسکن ہے۔ دہلی میں اردو کا بڑے سے بڑا رسالہ نکلتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ بڑے سے بڑے روزنامے نکلتے ہیں۔ دہلی کا ایک پبلشر ہندوستان و پاکستان کے بڑے سے بڑے پبلشر پر بھاری ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اردو بولنے والوں، اردو لکھنے والوں کی تعداد آج بھی ہندی کے مقابلے میں زیادہ ہے اور اگر حکومت یک طرفہ فیصلہ نہ کرے کہ اردو بولنے والوں کا ہر علاقہ ہندی بولنے والا علاقہ ہے تو آج بھی صورت واقعہ یہ ہے کہ اردو بولنے والوں کی ہندوستان میں اکثریت ہے ہندی کو جو سرکاری سرپرستی حاصل ہے اس کے پیش نظر کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ دو چار سال میں ہندی کی رفتار ترقی کیا ہوگی۔ لیکن آج اور ابھی تو یہ دعوے ڈنکے کی چوٹ کیا جاسکتا ہے کہ اردو بولنے والوں کی تعداد ہندوستان میں ہندی بولنے والوں کی تعداد کے مقابلے پر زیادہ ہے۔

اردو کی انسانیت دوستی اردو کی وطن دوستی، اردو کے ہندو مسلم، سکھ، عیسائی فن کاروں کی بیش بہا ہستیاں، اردو کی مٹھاس اور سجاوٹ بجائے خود اتنی بڑی دلیلیں ہیں کہ فصلی و ہنگامی سیاست ان کی تردید نہیں کرسکتی۔ اس لئے اگر واقعہ یہ ہو کہ اردو بولنے والوں کی ہندوستان میں اکثریت ہو، اردو زبان زیادہ سائنٹفک اور پر مایہ ہو، بہ حیثیت مجموعی اردو ادب زیادہ ترقی یافتہ ہو تو کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ اردو کا مقام ہندوستان کے مختلف صوبوں میں کیوں نہ تسلیم کیا جائے۔ اردو کے حق میں سب سے بڑی اور قاطع جمہوری دلیل یہ ہے کہ ایک طبقہ کے چاہنے یا نہ چاہنے کے باوجود اردو ایک بڑے طبقے کو پسند ہے اور جب وہ پسند ہے تو ہندوستان کے جمہوری نظام کو اس کی اہمیت تسلیم کرنا پڑے گی۔ سوال یہ نہیں ہے کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہندوستانی جمہور کا ایک معتدبہ حصہ اردو کو چاہتا ہے اور اردو ہندوستان کے دستور اساسی کی رو سے چودہ زبانوں میں سے ایک اہم زبان ہے اس لئے اردو کو وہ جگہ ملنی چاہئے جو اس کا حق ہے اردو بولنے والوں کا حق ہے۔ ہندوستانی جمہور کے ایک بہت بڑے طبقے کا حق ہے جس کا دعویٰ ہے کہ اردو بولنے والوں کی آج بھی ہندوستان میں اکثریت ہے۔

اردو والوں کو یہ دلیل مطمئن نہیں کرسکتی کہ آخر اردو کس علاقہ کی زبان قرار دی جائے اس لئے کہ ہندی کے علاقے تو مخصوص کئے جاسکتے ہیں مگر اردو کے علاقے مخصوص نہیں کئے جاسکتے۔ بات یہ ہے

کہ آپ جب اردو بولنے والے علاقوں کو زبردستی ہندی بولنے والے علاقے قرار دیں گے تو اس سوال کا جواب دینا ہمارا کام نہیں ہے کہ اردو کس علاقہ کی زبان قرار دی جائے اور اگر ہم سے پوچھا جائے تو ہم صاف کہیں گے کہ یوپی کو اردو بولنے والا علاقہ قرار دیجئے پنجاب کو اردو بولنے والا علاقہ قرار دیجئے۔ اور اگر اردو کے بولنے والے تمام علاقے آپ یکے بعد دیگرے چھین رہے ہوں تو یہ جواب دینا آپ کا کام ہے کہ اردو سے یہ بے انصافی کیوں ہو رہی ہے اور اردو کس علاقے کی زبان قرار دی جائے۔ ہم تو صرف یہ جانتے ہیں کہ اردو ہندوستان کی زبان ہے، ہندوستان والوں کی اکثریت اردو بولتی ہے اور اگر انصاف کے دیدے ختم نہیں ہو گئے تو اردو ہندوستان سے نہیں مٹائی جا سکتی۔

۱۹۴۷ء کے بعد اردو کے خلاف جو تعصب کام کر رہا ہے اور جس انداز سے بدیسی اور پاکستانی زبان کہا جا رہا ہے اس کا معقول جواب دینا اردو والوں کا کام ہے۔ اور ہماری زندگی کا یہ ایک مقصد عظیم ہے کہ غلط فہمیوں کا ازالہ کریں۔ سردست اتنا کہنا کافی ہوگا کہ اردو نے ہندوستان میں جنم لیا اور آج بھی اردو کے بہترین ادیب و انشاپرداز، بہترین فن کار ہندوستان میں ہیں اور اردو کے معاملے میں پاکستان کو ہندوستان سے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے جب تک دہلی، دہلی ہے۔ جب تک لکھنؤ لکھنؤ ہے ہندوستان اردو کا مرکز رہے گا اور اسے بدیسی زبان کہنے والے جھوٹ بولتے ہیں۔

ابھی اردو ہندوستان میں بچائی جا سکتی ہے۔ ورنہ دو چار سال کے بعد کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اردو کا حال کیا ہوگا اس لئے اردو والوں کو اردو کی بقا کا اہتمام کرنا چاہئے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ وہ وطن پرور اور جمہوریت پسند بن کر اردو کا حق طلب کریں۔ مگر جب تک ہندوستان میں جمہوریت کا نام باقی ہے اردو کے جائز حق سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

(پیام وطن)

> جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ یا
> جواب کے لئے ٹکٹ بھیجنا ضروری ہے

تلخ حقیقت

ہندی ہندوستان کی قومی زبان مقرر کی گئی ہے اس کو ترقی دینا اور اپنانا ہر ہندوستانی کا بلا لحاظ مذہب و ملت ایک اہم فرض ہے۔ مگر جس طرح اردو کو ذبح کیا جا رہا ہے یہ بات افسوسناک حد تک شرمناک ہے چونکہ حکومت کا سارا کاروبار انگریزی زبان میں ہوتا ہے اور ملک کے تقریباً تمام بڑے بڑے لیڈر انگریزی کے سوا کسی زبان میں اپنے خیالات کا اظہار نہیں کر سکتے اس لئے انگریزی کی زندگی کی میعاد میں دس پندرہ برس کا اضافہ کر دیا گیا ہے مگر اردو کو اس بات کے باوجود کہ یہ سارے شمالی ہند اور حیدر آباد دکن وغیرہ کئی علاقوں کی سب سے پاپولر زبان ہے ختم کیا جا رہا ہے نہ اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے نہ کالجوں میں اس کا انتظام ہے اور تنگ دلی، تنگ ظرفی اور تعصب کے باعث اس کو جلد از جلد ختم کرنے کی اسکیم پر عمل ہو رہا ہے۔

اردو ایک پاپولر زبان ہے اور کسی بھی پاپولر زبان کو اس طرح ختم کرنا کسی بھی ملک کی حکومت کے لئے باعث فخر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس ہفتہ کی دو اہم خبریں ملاحظہ ہوں۔

سیٹھ گوئنکا کا کروڑپتی ادارہ ایکسپریس نیوز پیپر گروپ برسوں سے ہندی زبان میں ایک ہفتہ وار پرچہ سکرین شائع کر رہا تھا اس کو پاپولر بنانے کے لئے انھوں نے ہزاروں نہیں لاکھوں روپے خرچ کئے چار آنے میں بڑے جہازی سائز کے سولہ صفحات دئے جاتے تھے جن میں رنگین تصاویر بھی ہوتی تھیں دنیا بھر کی نئی خبریں فلم اسٹارز کے مضامین غرض سب کچھ شائع کیا جاتا تھا جو کسی پرچے کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہوتا ہے مگر اس کے باوجود پرچہ کامیاب نہ ہوا اور اس ہفتہ سے اس کی اشاعت بند کر دی گئی ہے۔

دلی کانگریس کے ایک گروپ نے اپنا پروپیگنڈہ کرنے کے لئے کئی لاکھ روپے کے سرمایہ سے ایک شاندار روزانہ اخبار سنمارگ شائع کیا ہے اور یہ اردو زبان میں ہے۔

اور یہ دونوں باتیں یہی ثابت کرتی ہیں کہ اس وقت اردو ایک پاپولر زبان ہے۔ اسکولوں اور کالجوں میں اس کی تعلیم نہ ہونے کے باوجود عوام اسے سمجھتے اور بولتے ہیں اور روزمرہ کے کاموں کے لئے کسی بھی دوسری زبان پر اسے ترجیح دیتے اور اسے بہت آسان

سمجھتے ہیں لہٰذا اس زبان کو ختم کرنا زیب نہیں دیتا ضرورت ہے ملک کے ذمہ دار اصحاب آنکھوں سے تعصب کی پٹی اتار کر اس بات پر غور کریں اور اس تکلیف کا اندازہ لگائیں جو کسی پا پولر زبان کو اس بری طرح ختم کرنے سے ان لوگوں کو ہوتی ہے جن کے خون میں یہ سرایت کر چکی ہوئی ہے اور جن کی زندگی کا جزو بن گئی ہے۔

(چترا ویکلی)

مسئلہ اردو مرکزی گورنمنٹ کے زیر غور

ہمیں معتبر ترین ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس وقت اردو زبان کا مسئلہ مرکزی گورنمنٹ کے زیر غور ہے اور مولانا ابوالکلام آزاد نے اردو کو شمالی ہند میں زندہ رکھنے کے لئے دو تجاویز پیش کی تھیں۔

(۱) تمام یوپی اور دہلی میں زبان تو ہندی ہو مگر یہ زبان سرکاری طور پر ہندی اور فارسی دونوں رسم الخط میں لکھی جائے (جس کا مطلب یہ ہے کہ عدالتوں اور سرکاری دفاتر میں ہندی اور اردو دونوں زبانیں رائج رہیں)۔

(۲) یوپی کے مشرقی اضلاع (یعنی جو اضلاع صوبہ بہار کے ساتھ ملتے ہیں) ان میں عدالتی اور سرکاری زبان صرف ہندی رائج ہو اور مغربی اضلاع یعنی آگرہ، میرٹھ اور الٰہ آباد ڈویژنوں اور دہلی میں صرف اردو بطور علاقائی زبان تسلیم کی جائے اور تمام دفاتر اور عدالتوں کی کارروائی اردو میں ہو۔

چنانچہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ امید کی ان دونوں تجاویز میں سے ایک تجویز کو لازمی طور پر یوپی اور دہلی میں منظور کر لیا جائے گا اور اگر دونوں تجاویز نامنظور کر دی گئیں تو یہ خلاف توقع نہ ہوگا کہ مولانا ابوالکلام آزاد بطور پروٹسٹ وزارت سے مستعفی ہو جائیں۔

مولانا ابوالکلام اگر شمالی ہند میں اردو کو زندہ رکھنے میں کامیاب ہو سکے تو آپ کا یہ قدم اردو زبان پر بہت بڑا احسان ہوگا کیونکہ جہاں تک یوپی کے ہندو کانگریسی حضرات کا سوال ہے ان کی زیادہ تعداد گو لکھنؤ میں جلوس سے اور یہ ہندو مسلم اتحاد کے نعرے بلند کرتے ہیں مگر ان کے دل مہاسبھائی جراثیم سے پر ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ اردو کے دشمن ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ مہاتما گاندھی نے بھی اردو کو ملک میں زندہ رکھنے کے حق میں رائے دی تھی اور کسی بھی زبان کی مخالفت لٹریچر کی مخالفت ہے جس کی کسی ادبی ذوق رکھنے والے سے توقع نہیں کی جا سکتی۔

(ریاست)

یوم ہندی

دہلی میں مختلف اداروں کی طرف سے یوم ہندی منایا گیا ہے جس میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر ٹنڈن نے کہا کہ ہندی ایک سرمایہ دار زبان ہے جس کے ساتھ بہت سی مضبوط روایات وابستہ ہیں اور دنیا کی کسی زبان سے ہندی کا مقابلہ آج بھی کیا جا سکتا ہے حالانکہ صدر جمہوریہ ہند یہ تک کہہ چکے ہیں کہ ہندی کو سرکاری زبان صرف اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کے سمجھنے والے زیادہ ہیں۔ اس لئے نہیں بنایا گیا کہ وہ دوسری زبانوں کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ ہے۔

ٹنڈن جی اپنی انتہا پسندی میں ہمیشہ مشہور رہے ہیں اور ایسے ہی لوگ ہیں جو آج جنوبی ہند میں ہندی کے مخالف پیدا کر رہے ہیں ہمارا خیال ہے کہ ہندی کی اشاعت اور ترقی کے لئے حکومت نے جس قدر زور لگایا اور پشت پناہی کی ہے اس سے زیادہ دنیا کی کسی حکومت نے آج تک کسی زبان کے لئے اتنی کوشش نہیں کی اس کے باوجود یہ بات ابھی تک مشکوک ہے کہ ہندی انگریزی کی جگہ پندرہ سال میں لے سکے گی اور سات سال بعد وہ انگریزی کو نکالنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ ابھی تو اسی پر بحث چل رہی ہے کہ ذریعۂ تعلیم کیا ہو۔ ماہرین تعلیم بھی ہندی کے بارے میں مذبذب ہی نظر آتے ہیں اور جنوبی ہند کا فیصلہ تو سب کے سامنے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندی میں ابھی وہ لچک اور ہمہ گیری پیدا نہیں ہوئی جو دوسری زندہ زبانوں میں موجود ہے۔ اگر ہندی اپنی داخلی صلاحیتوں میں مکمل ہوتی تو اس کا سہارا دینے اور اسے ڈھکیلنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی، جاندار زبانیں خود بخود دماغوں میں جگہ پیدا کرتی ہیں اور معمولی سہارے سے ان کا رواج عام ہو جاتا ہے اور جب ہندی کی جو حیثیت یہ ہے تو اسے کسی قابل بنانے کے لئے ایک بڑا عرصہ درکار ہوگا۔ جلد بازی سے زبانوں کو مسلط تو کیا جا سکتا ہے انھیں رگ و ریشہ میں نہیں اتارا جا سکتا جلد بازی سے ایک نقصان یہ ہوگا کہ جنوبی ہند کے لوگوں کی غلط فہمیاں دور نہ ہو سکیں گی اور وہ علاقائی زبانوں کا سہارا لیکر ہندی کو پیچھے ڈالنے کی کوشش کریں گے البتہ یہ سچ ہے کہ ہندی کو اپنے مقام پر پہنچانے کے لئے ابھی سے کوشش کرنی چاہئے۔ خواہ اس کا نتیجہ دس سال میں نکلے یا پچاس سال میں کیونکہ زبانیں تدریجی رفتار سے بڑھتی ہیں، زور لگا کر اور اسکیمیں بنا کر انھیں آگے نہیں بڑھایا جا سکتا۔

(الجمعیۃ)

اردو کی خبریں

مدراس وظیفہ یاب آئی۔ سی۔ ایس عالی جناب حاجی ایس۔ ایم۔ حسین صاحب کی زیر صدارت بروز جمعرات بتاریخ یکم ستمبر ۵۵ء سہ پہر کے ٹھیک ساڑھے چھ بجے بمقام گرسنٹ ہال تریپلیکن ہائی روڈ حامیان اردو کی دوسری آل انڈیا کانفرنس منعقد ہوئی۔

اردو ادب اور اس کے داخلی و خارجی اثرات پر چیرمین جناب ایس۔ ایم فاضل نے انگریزی میں تقریر کی۔ مولانا سید عبدالوہاب صاحب بخاری ایم۔ اے ایل۔ ٹی پروفیسر آف اسلامک ہسٹری پریسیڈنسی کالج نے بھی تقریر فرمائی۔

۲ ستمبر ۵۵ء کو اردو نثر پر مولوی فاضل محمد جناب یوسف کوکن ایم۔ اے چیرمین و جناب الحاج ڈاکٹر سید نعمت اللہ مدراس کے سابق میئر نے اردو میں تقریر کی۔

۳ ستمبر ۵۵ء کو "دکن میں اردو" اور اس کی "تشہیر و تبلیغ" کے عنوان پر جناب ایس۔ ایم فضل اللہ صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی چیرمین اور جناب ایم۔ اے عظیم بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی بارایٹ لا نے تقریریں کیں۔

۴ ستمبر ۵۵ء صبح کے دس بجے اڈیرپیس ویلڈ یو تریپلیکن ہائی روڈ کے مالک جناب علی حسین کے زیر اہتمام اردو کتابوں کی پہلی آل انڈیا نمائش کا مدراس کے سابق شریف عالی جناب حاجی ایم جی حسین صاحب نے افتتاح فرمایا۔

۵ ستمبر کی سہ پہر کے ساڑھے چھ بجے غیر طرحی اردو مشاعرہ ہوا۔ اردو ڈرامہ کے عنوان پر منشی فاضل جناب پی حبیب خاں منرو شاہ ایم۔ اے چیرمین اور مدراس کے سابق میئر جناب عبدالحمید خاں نے اردو میں تقریر کی۔

۶ ستمبر ۵۵ء کو "اردو نظم" پر سلطان الشعرا افضل العلما جناب شوکت اللہ سہروردی ایم۔ اے چیرمین اور جناب ایم اے کرمانی بی۔ اے۔ بی۔ ایل ایڈوکیٹ نے تقریریں کیں۔

۷ ستمبر کو انگریزی پر اردو کا اثر اور اردو پر انگریزی کے اثر پر چیرمین جناب ایس۔ ایم فاضل پروفیسر ایم۔ ایم غنی ایم۔ اے ایل۔ ٹی پرنسپل گورنمنٹ آرٹس کالج نے انگریزی میں تقریر کی۔

پھر اور وعدے۔ عدالتوں میں اردو

لکھنؤ۔ اسمبلی میں ایک سوال کے جواب میں شری سمپورنانند جی نے ایوان کو بتلایا کہ ہائی کورٹ کو پہلے اطلاع دی جا چکی ہے کہ عدالتوں میں اردو میں درخواستیں لی جا سکتی ہیں۔ اس لئے وہ اس قسم کی گشتی ماتحت عدالتوں کو بھیج دے۔ اس لئے اب کوئی نئی ہدایت ہائی کورٹ میں بھیجی گئی اور جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے اس پر عمل بھی ہو رہا ہے۔

شری سمپورنانند نے یہ بھی کہا کہ انجمن ترقی اردو نے کہا ہے کہ اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور اس نے ثبوت پیش کرنے کو کہا ہے اگر کوئی ایسا ثبوت مل گیا تو کارروائی کی جائے گی۔

اسمبلی میں شری مصطفے حسین کانگریسی ممبر نے پوچھا تھا کہ کیا سرکار مہربانی کر کے بتائے گی کہ اس نے ہائی کورٹ کو ہدایت بھیجی ہے کہ ان کی ماتحت عدالتوں میں اردو میں بھی درخواستیں دی جا سکتی ہیں۔

مصطفے حسین: کیا یہ صحیح ہے کہ ابھی حال میں انجمن ترقی اردو کے ایک وفد نے وزیر اعلیٰ سے مل کر شکایت کی تھی کہ ماتحت عدالتیں اردو زبان میں درخواستیں نہیں لیتی ہیں۔

وزیر اعلیٰ: جی ہاں! جب وفد مجھ سے ملا تھا تو اس نے ایسی شکایت کی تھی۔ چونکہ میرے پاس ایسی کوئی شکایت ابھی تک نہیں آئی ہے اس لئے میں نے اس سے کہا تھا کہ اگر کسی ماتحت عدالت نے اردو میں درخواست لینے سے انکار کیا ہو تو میرے پاس ایسی شکایت ثبوت کے ساتھ دیں میں اس پر کارروائی کروں گا۔

مصطفے حسین: کیا یہ صحیح ہے کہ بانسی ضلع بستی کی ایک منصفی عدالت نے ایک مقدمہ میں اصل دستاویز کو جو اردو میں تھی داخل شہادت کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس کی بھی شکایت انجمن کے وفد نے کی تھی؟

وزیر اعلیٰ: جی ہاں اس وفد نے ایسا کیا تھا مگر اس سے اس مقدمہ کی تفصیل وفد سے مانگی ہے۔ تفصیل آجانے پر اگر بات صحیح ثابت ہوئی تو اس پر کارروائی کی جائے گی۔

ٹونک شاہ نواز صاحب سکریٹری ینگ مین کلچرل ایسوسی ایشن تحریر فرماتے ہیں کہ ادارہ ینگ مین کلچرل ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام یوم اختر شیرانی کے سلسلے میں ۹ ستمبر ۵۵ء کو ایک محفل مشاعرہ منعقد کی گئی۔ مجلس کی صدارت جناب محمد علی حسین زیدی نے فرمائی۔

جلسے کی کارروائی اختر صاحب کے کلام سے شروع ہوئی جناب حامد رشید صاحب نے ایک مقالہ پڑھا جس میں اختر صاحب کی شاعری کے پس منظر پر خصوصاً روشنی ڈالی گئی تھی اور ادارہ کے اس اقدام کو سراہتے ہوئے انھوں نے فرمایا کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک کے گوشے گوشے میں نوجوان اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں اور ادبی خدمت کا پروگرام بنائیں۔ موصوف نے ادارہ سے اپنے پورے تعاون کا وعدہ فرمایا۔

دوسری نشست میں مشاعرہ شروع ہوا جس میں شہر کے تمام شعرائے کرام نے شرکت کر اور نوجوان شعراء نے خصوصاً مشاعرہ کو کامیاب بنایا۔

انجمن کی خبریں

گوالیار

عطا فاضلی صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو گوالیار تحریر فرماتے ہیں کہ گوالیار کے چند باہمت اور اتحاد پسند اصحاب نے ۱۶ ستمبر کو انجمن ترقی اردو ہند کی شاخ قائم کی ہے جس کے صدر سردار سری صاحب نائب صدر شمیم فرحت صاحب اور خازن ذوالفقار نقوی صاحب بنائے گئے ہیں اور مجلس انتظامیہ کے اراکین میں شہر کے مخلص اصحاب کو شریک کیا گیا ہے جن میں ضیاء ڈبائیوی صاحب عبدالحفیظ غزنوی صاحب عبدالرفیق صاحب اسلام الدین قریشی صاحب فاروق حسین صاحب ریحان قریشی صاحب وقار صدیقی صاحب اور انور صدیقی صاحب خصوصیت سے لائق ذکر ہیں۔

گوالیار میں انجمن کی شاخ کا قیام کوئی نئی بات نہیں ہے جون ۱۹۴۱ء میں یہاں ایک تاریخی اردو کانفرنس ہو چکی ہے جس کے روح رواں منظر عالم صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈوکیٹ، صدر مجلس استقبالیہ سید افتخار حسین صاحب ایڈوکیٹ اور سکریٹری شمس الدین صاحب تھے۔

اس کانفرنس کا اجلاس ۲۷ جنوری ۱۹۴۱ء کو ساڑھے چار بجے شام عید گاہ گپھ میں منعقد ہوا تھا اور منظر عالم صاحب کی ایک تجویز کی تائید کرتے ہوئے کرشن بہادر صاحب ایڈوکیٹ نے فرمایا تھا کہ:

"میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ آلو اور تمباکو ہمارے ملک میں یورپ اور امریکہ سے آئے لیکن ہم نے ان چیزوں کو اپنا لیا ہے اور ہمیں ان سے کوئی پرہیز نہیں۔ اردو ہمارے ہی گھر میں پیدا ہوئی اور ہمیں نے اسے پروان چڑھایا پھر بھلا ہم اس سے کیونکر تعصب رکھ سکتے ہیں جو لوگ اپنی ناسمجھی سے اردو کو بھی غیر سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ یہ زبان امریکہ یا عرب سے ہمارے ملک میں نہیں آئی بلکہ جیسا کہ جناب صدر محترم نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا ہے اس کا جنم ہندو مسلمانوں کے میل ملاپ سے ہوا ہے۔ میرے بزرگوں نے اردو میں متعدد کتابیں لکھی ہیں جو قلمی حالت میں میرے گھر میں موجود ہیں اور میں انہیں پڑھ کر اپنے بزرگوں کے کارناموں پر فخر کیا کرتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے لڑکوں اور بچوں نے اردو نہیں پڑھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ میرے بعد میرے گھر میں میرے بزرگوں کی لکھی ہوئی اردو کتابوں کا پڑھنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ میری مادری زبان اگرچہ مرہٹی ہے لیکن اردو میرے لئے بیگانہ نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف جب میری آنکھوں کے سامنے کوئی اردو تحریک آتی ہے تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی روشنی پیدا ہو گئی ہو۔ اردو کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ جلد پڑھی جاتی ہے جلد لکھی جاتی ہے جلد سمجھ میں آجاتی ہے۔ اردو قدرتی شارٹ ہینڈ ہے۔ دوسرے رسم الخط میں جو جملے کئی کئی سطریں لے لیتے ہیں وہ اردو کے تھوڑی سی جگہ میں آجاتے ہیں میری سمجھ میں کسی ہندوستانی کو اردو سے تعصب رکھنے کی کوئی وجہ نہیں۔"

اس کانفرنس کی صدارت بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب نے کی تھی اور اپنے صدارتی خطبے میں اس تاریخی حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا کہ:

"شاہ عالم بادشاہ پر جب مصیبت نازل ہوئی اور روہیلہ غلام قادر روہیلہ نے بادشاہ کی آنکھیں نکال لیں اور تخت سے اتار دیا اور شاہی خاندان کو پامال کر دیا تو اس وقت بادشاہ کو مادھوجی سندھیا کے علاوہ کوئی دوسرا ہمدرد اور دوست نظر نہ آیا چنانچہ وہ اپنی . . . ایک فارسی غزل میں جو اس حادثے سے متاثر ہو کر لکھی تھی۔ مادھوجی سندھیا کو اس محبت سے یاد کرتے ہیں۔

مادھوجی سندھیا فرزند جگر بند من است
ہست مصروف تلافی ستمگاری ما

اور یہی وہ مخلصانہ تعلقات تھے جنھوں نے باہمی اتحاد پیدا کر دیا تھا اور اسی اتحاد نے اس تہذیب اور زبان کی بنیاد ڈالی جو ہندو مسلم دونوں میں مشترک اور دونوں کی وراثت ہے۔"

گوالیار کی انجمن ترقی اردو کے قیام کا مقصد یہی ہے کہ وہ اس مشترک تہذیب اور اتحاد کی مقدس یادگار کو باقی رکھے اور ہندی کے فروغ کے ساتھ اردو کو بھی برقرار رکھنے کی سعی کرے تاکہ اتحاد کی یہ مقدس یادگار زندہ رہے۔

پٹنہ پٹنہ سے ماہر جناب صدیقی جنرل سکریٹری وا لیکشن انچارج بہار ریاستی انجمن ترقی اردو نے حسب ذیل اپیل اشاعت کی غرض سے بھیجی ہے۔

اکتوبر کے پہلے ہفتے میں یوم پریم چند ریاست بہار کے گوشے گوشے میں منائے جانے کا بہار ریاستی انجمن ترقی اردو نے فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ پریم چند جیسے اردو کے عظیم المرتبت مصنف کی ان خدمات سے جو انھوں نے اردو کے تحفظ و بقا اور اس کی اشاعت و ترقی کے سلسلے میں انجام دی ہیں۔ اردو دوست عوام کو روشناس کرانے کا یہ ایک بہترین ذریعہ ہے۔

منشی پریم چند کا اردو زبان پر ایک زبردست احسان ہے اور اس احسان کا ہم کوئی بدلہ نہیں چکا سکتے اس کے سوا کہ ہم ان کی برسی کا ہفتہ ان کی یاد میں اس طرح گذاریں جو ان کے شایان شان ہو اور اس کی واحد شکل یہ ہے کہ ہم "یوم پریم چند" کے موقع پر شاندار اجتماع کریں اور اردو کے تحفظ و بقا کی عملی صورتیں بروئے کار لائیں یعنی بہار کے گوشے گوشے میں اردو مکتب یا مدرسہ یا شبینہ مکتب یا اردو اسکول یا لائبریری یا اردو مطالعہ قائم کریں اور اس سلسلہ کے دوسرے مفید کاموں کو انجام دیں۔

اس موقع پر بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی ممبر سازی کی تحریک بھی پرجوش طور پر چلائی جائے اور ہر اردو داں اور اردو دوست کو انجمن مذکور کا ممبر بنایا جائے اسی طرح اردو کے تحفظ و بقا کی راہ نکالی جائے ان طریقوں میں سے اب صحیح طور پر یوم پریم چند منا سکتے ہیں اور ان کی یادگار قائم رکھ سکتے ہیں۔ نیز انھوں نے جس اردو کے آبیاری کا جو فریضہ اپنے ذمہ لیا تھا اسے انجام تک پہونچا کر ان کی روح کو سکون و طمانیت بخش سکتے ہیں۔

بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی کونسل ورکنگ کمیٹی کے ارکان و دیگر ممبران نیز تمام شاخوں کے ساتھ ساتھ ہر اردو دوست سے میری اپیل ہے کہ وہ اس اہم موقعے پر اپنی اردو دوستی کے جذبے کا اظہار پرجوش طور پر کریں اور بہار کے کونے کونے اور گھر گھر میں اردو کا پیغام پہونچائیں خود ممبر بنیں اور دوسروں کو ممبر بنائیں۔

یہ ممبر سازی نئے دستور کے مطابق تین سالوں کے لئے ہو گی جس کی فیس ممبری صرف ایک روپیہ ہے۔ جس قدر رسیدوں کی ضرورت ہو دفتر بہار ریاستی انجمن ترقی اردو انجمن اسلامیہ ہال پٹنہ ۴ سے طلب کریں۔ ۳۱ر اکتوبر تک ممبر سازی کی آخری تاریخ مقرر کی گئی ہے۔

نوگاؤں سادات سکریٹری صاحب شاخ انجمن ترقی اردو لکھتے ہیں کہ لوگوں کی تنگ نظری تعصب اور کم فہمی نے اردو ادب اور زبان کے ساتھ جو سلوک کیا ہے وہ سب پر روشن ہے

اردو کے حریفوں نے یوپی گورنمنٹ کا سرکاری مواصلات کے جونیر ہائی اسکولوں تک نہ پہونچنے دیا جب نوگانواں کے مقامی جونیر ہائی اسکول سے اردو ختم ہوئی تو اراکین انجمن ترقی اردو ہند شاخ نوگانواں پر یہ فرض عائد ہوا کہ اس کی بابت استفسار کرے چنانچہ ایک وفد ہیڈ ماسٹر صاحب جونیر ہائی اسکول کے پاس گیا، اور ان سے مرتب شدہ درخواست پر تحریری جواب لیا۔ انھوں نے ظاہر کیا کہ اگر سرکاری احکام ہوں تو وہ ان کی تعمیل کریں گے۔

آخر کار ہماری کوشش کامیاب ہوئی اور اب اردو کی تعلیم کا پھر باقاعدہ انتظام ہو گیا ہے اور حسب قاعدہ پڑھائی ہو رہی ہے۔

علی گڑھ انجمن ترقی اردو شاخ علی گڑھ کے جنرل سکریٹری مسٹر ماتھر ایم۔ اے۔ ایل ایل بی علیگ تحریر فرماتے ہیں کہ شاخ کے زیر اہتمام عنقریب ایک ادبی مباحثہ ہوگا جس کی صدارت کے لئے بابو رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری سے استدعا کی گئی ہے۔

مباحثے کے بعد ایک طرحی مشاعرے کی بزم خاص بھی ترتیب دی جائے گی جس میں اساتذۂ فن سے شریک بزم ہونے اور کلام سنانے کی گزارش کی جائے گی۔ تاکہ بزم شعر بزم قوالی نہ بنے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ بزم مشاعرہ کی شرافت کیا ہوتی ہے اور اس کی ترتیب کس طرح کی جاتی ہے۔

اس بزم خاص کے لئے ۔ ۔ ۔ ۔ نواب جعفر علی خاں صاحب اثر لکھنوی سے مراسلت شروع کر دی گئی ہے اور ایسے ذرائع بہم پہونچائے گئے ہیں جن سے موصوف کی شرکت یقینی ہو گئی ہے۔ خیال ہے کہ یہ بزم علی گڑھ کی ایک تاریخی اور یادگار بزم ہوگی۔ بزم میں داخلہ بذریعہ پاس ہوگا۔ جو شہر میں مختلف مقامات سے مل سکے گا اور اس کا اعلان بذریعہ پوسٹر و اشتہار کر دیا جائے گا۔

بزم مشاعرہ اور ادبی مباحثہ کے مہتمم اعلیٰ شہر کے مشہور اور لائق وکیل بابو بھگوان بہاری صاحب بنائے گئے ہیں جنھوں نے ۲۲ر اپریل کو اپنے دولت خانے پر یاد شعلہ کی محفل ترتیب دی تھی۔ اور مشاہیر شعرائے کرام نے سورگ باشی بنواری لال شعلہ کو خراج عقیدت پیش کیا تھا اور اے۔ بی ماتھر ڈپٹی کلکٹر علی گڑھ نے اس کا افتتاح کیا تھا۔

تبصرے

اردو ادب میں رومانوی تحریک

از ۔ ڈاکٹر محمد حسن

(ناشر ۔ دانش محل ۔ امین الدولہ پارک ، لکھنؤ)

یہ کتابچہ سلسلۂ مطبوعات شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی اشاعتوں کی ایک کڑی ہے۔ اردو ادب میں رومانی تحریک پر یہ مقالہ مختصر مگر جامع ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ قابل مصنف اردو ادب کے اس گوشے پر ایک وسیع نظر رکھتے ہیں۔ ادب میں رومانیت کے تاریخی اور نفسیاتی ارتقا کا انھوں نے ایک اچھا تجزیہ کیا ہے۔

یہ ایک موضوع ہے جس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اردو ادب میں رومانیت نے بلاشبہ ایک نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا لیکن اب جس طرح حالات نے ادب کا رخ بدلا ہے اس کی رومانیت کا بھی رخ بدل گیا ہے۔ زندگی کے جو جدید مسائل ہمارے اہل قلم کے سامنے آرہے ہیں انھوں نے ادب لطیف کی اہمیت کو بلاشبہ کم کر دیا ہے لیکن ہم قابل مصنف کے اس فیصلہ سے متفق نہیں ہیں کہ رومانیت کا زمانہ ختم ہو چکا۔ اگر موسیقی اور مصوری اور دوسرے فنون لطیفہ کی جگہ ہماری ذہنی زندگی میں قائم ہے تو ہمارے لٹریچر میں رومانیت کا بھی ایک مقام ہمیشہ محفوظ رہے گا حقیقت صرف یہ ہے کہ رومانیت کا رخ کسی قدر بدل گیا ہے، ورنہ زندگی کی لطافتوں سے وہ لوگ بھی بے تعلق نہیں رہ سکتے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ زندگی کے تمام مسائل کا حل بھوک کا مسئلہ ہے۔ انھوں نے اپنے ادب کا رخ اسی سمت میں بدل دیا ہے، لیکن پھر بھی وہ رومانیت کو اپنے ادب اور اپنی زندگی سے خارج نہیں کر سکے ہیں۔

نفسیات انسانی کی پوری تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ دنیا کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا جب انسان کی فطرت رومانیت سے بیگانہ ہوئی ہو۔ جنگل کے درندوں کی طرح لڑنے اور مرنے والے انسانوں کا یہ فطری تقاضا ہر حال میں باقی رہا ہے۔ روس اور جرمنی جیسی قومیں جن کی زندگی کا مدار جنگ و جدل پر ہو گیا تھا کسی حال میں رومانیت کو اپنے افکار سے خارج نہ کر سکیں

یہ سچ ہے کہ جدید ادب صرف رومانیت کے نقش و نگار سے اپنی آرائش کو کافی نہیں سمجھتا اور دوسرے عناصر بھی رومانیت کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ جس طرح انسانی زندگی کے ابتدائی دور سے آج تک اسی طرح آئندہ بھی رومانیت ہمارے لٹریچر کا ایک جزو بنی رہے گی۔

ڈاکٹر محمد حسن کے اس کتابچہ نے ہمارے ادب کی تاریخ کے ایک گوشے کی تفصیلی تاریخ مرتب کرنے کے لئے ایک دروازہ کھول دیا ہے اس لئے اس مقالہ کی اشاعت کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں۔

المکتبۃ العلمیہ لاہور کا ایک مشہور ادارہ ہے جو بڑے اہتمام سے اچھی کتابت، دلکش طباعت اور اعلیٰ قسم کے کاغذ پر دینیات کے علاوہ دوسرے مفید عنوانات پر کتابیں شائع کر رہا ہے اس کی حسب ذیل مطبوعات بغرض تبصرہ وصول ہوئی ہیں۔

اللہ کے پیارے رسولؐ	قیمت ایک روپیہ چار آنے
حضرت ابوبکر صدیقؓ	قیمت چودہ آنے
حضرت عمر فاروقؓ	قیمت ایک روپیہ
حضرت عثمانؓ	قیمت ایک روپیہ
حضرت علیؓ	قیمت ایک روپیہ
سچی باتیں حصہ اول	قیمت نو آنے
سچی باتیں حصہ دوم	قیمت پانچ آنے
سچی باتیں حصہ سوم	قیمت نو آنے
سچی باتیں حصہ چہارم	قیمت چھ آنے
اصحاب کہف	قیمت چھ آنے
نغاسر دار	قیمت چھ آنے
سونے کا دریا	قیمت پانچ آنے
ٹھگا ہوا شکاری	قیمت سات آنے
سفید پرندے	قیمت چھ آنے
مشکل زر	قیمت چھ آنے
حساب کی پہلی کاپی ح۱	قیمت آٹھ آنے
حساب کی پہلی کاپی ح۲	قیمت آٹھ آنے
حساب کی پہلی کاپی ح۳	قیمت آٹھ آنے

کوکو — قیمت بارہ آنے

پرائمری ارتھمیٹک سیریز برائے نرسری کلاسز — قیمت گیارہ آنے

باب الخوارج، کتاب الکامل للمبرد — قیمت چار روپے

بچوں کے لئے جو کتابیں اس ادارے نے شائع کی ہیں وہ بڑی محنت اور سلیقے کے ساتھ جاذب نظر شائع کی گئی ہیں۔ اور بچوں کی نفسیات کے ماہرین نے مرتب کی ہیں۔

حساب کی کاپیوں کو دیکھ کر بچے بڑی آسانی سے حساب سیکھ لیں گے۔ اسی طرح "کوکو" کے ذریعے ابتدائی عربی بڑی آسانی سے آجائے گی۔ یہ کتاب سفید آرٹ پیپر پر رنگین تصویروں کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔

ادارہ اپنی مطبوعات کی اشاعت کے لئے مستحق مبارکباد ہے۔

کتابوں کے ملنے کا پتہ:-

المکتبۃ العلمیہ۔ ۱۵۔ لیک روڈ لاہور۔ (پاکستان)

ہندوستانی کورس مرتبہ حشمت النسا بیگم صاحبہ و مولانا مسلم دیلوری صاحب ایم۔ ایل۔ سی

قیمت حصہ اول اردو قاعدہ آٹھ آنے۔

حصہ دوم قیمت پانچ آنے حصہ سوم بارہ آنے

ہندی حصہ اول آٹھ آنے۔ ملنے کا پتہ:-

دیلوری اکاڈمی۔ یڈییر۔ بنگلور۔ ۴۔

ہندوستانی کورس کے نام سے اردو اور اس کے ساتھ ہندی کی ابتدائی درسی کتابوں کا یہ ایک مفید سلسلہ بہت ہی غور اور تحقیق کے بعد شروع کیا گیا ہے۔ جس کے ذریعے کم سے کم وقت میں بچے اردو کے ساتھ ساتھ ہندی بھی سیکھ لیں گے اور آسانی کے ساتھ اردو اور ہندی کی بڑی کتابیں پڑھنے لگیں گے چونکہ ہر حصے کو تصویروں کے ساتھ آراستہ کیا گیا ہے اس لئے بچے بڑی رغبت اور شوق سے پڑھیں گے اور اسباق کو ذہن نشین کر لیں گے۔

کورس کی ترتیب میں اس بات کا بھی خاص طور پر خیال اور لحاظ رکھا گیا ہے کہ پہلے حصے کے حروف اور الفاظ کی ترتیب دوسرے حصے میں اور دوسرے حصے کی تیسرے حصے میں باقی رہے مشقی سوالات کے بعد ہندی معنی کے عنوان سے جن الفاظ کے معنی لکھے گئے ہیں ان پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ جیسے نہاؤ کے معنی اشنان کرو، طوطا کے معنی مٹھو، وغیرہ۔

ترانۂ دل مشہور اور کہنہ مشق شاعر ضمیر حسن خاں صاحب دل شاہجہاں پوری کے قدیم و جدید کلام کا مجموعہ ہے جس کو ان کے خلف اصغر جناب شفیق حسن خاں صاحب نے ترمیم و تنسیخ اور اضافہ کے بعد شائع کیا ہے۔

استاد الملک حضرت دل اور ان کا کلام اب کسی تعارف اور تبصرے کا محتاج نہیں ہے اور نہ یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ ان کی شاعری میں کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔

حضرت دل ہر چند کہ خدائے سخن حضرت امیر مینائی کے جانشین ہیں۔ مگر اپنے استاد کی عام خصوصیات شاعری کے علاوہ خود بھی اپنا ایک ممتاز اور بلند مقام رکھتے ہیں۔ جہاں سے استاد اور شاگرد کا فرق صاف نظر آتا ہے اور یہی وہ سب سے بڑی خصوصیت ہے جس نے غزل گو شعرا کی صف میں حضرت دل کی ایک خاص جگہ متعین کر دی ہے اور ان کا ہر شعر بلندی خیال ندرت مضامین کے ساتھ ساتھ مذاق و زبان کی پاکیزگی اور حسن و بیان کی سند سمجھا جاتا ہے

ملنے کا پتہ:- شفیق حسن خاں صاحب۔ محلہ باغ ... خان۔ شاہجہاں پور۔ قیمت تین روپے آٹھ آنے

کشتِ خیال رضا احمد صاحب رضی علیگ کے کلام کا مجموعہ ہے، جو سید ذکی احمد صاحب شیر ... گھاٹ پٹنہ سٹی سے مل سکتا ہے قسم اول کی قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے اور قسم دوم کی قیمت ایک روپیہ ہے۔

رضی صاحب چونکہ پیشہ ور شاعر نہیں ہیں تو انھوں نے مشاعروں کے ہنگامی داد و تحسین کے لئے شاعری شروع کی اس سے ان کے کلام میں ان کا فطری ذوق نمایاں ہے اور اس کا مطالعہ اس فیصلے پر مجبور کرتا ہے کہ وہ حقیقی شاعر ہیں اور انھوں نے جو کچھ بھی کہا ہے اس میں انھیں کے تاثرات و جذبات کی کارفرمائی ہے دوسروں کے جذبات کی نقالی اور تقلید نہیں ہے جو آج کل کے بیشتر شعرا کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔

(پرنٹر و پبلشر قاضی عبدالغفار نے نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپوا کر مرکزی دفتر علی گڑھ سے شائع کیا)